ہمارے مسعود رفیق

(از افادات)

حضرت سید العلماء مولانا السید علی نقی النقوی

﴿دام ظلہ﴾

مطبوعہ

سرفراز قومی پریس لکھنؤ

امامیہ مشن کی چھیاسٹویں خدمت

مدرسۃ الواعظین کے سالانہ تبلیغی جلسوں میں حضرت سید العلماء کے مواعظ مسلسل کئی سال تک امامیہ مشن کی جانب سے شایع ہوئے ہیں۔

ادھر دو سال سے اتفاقی حوادث کی بنا پر مشن کی طرف سے یہ مواعظ شایع نہیں کیے جا سکے۔

یہ رسالہ جو شایع کیا جا رہا ہی محرم ۱۳۵۸ھ کے مواعظ میں سے دو روز کی تقریر کا اقتباس ہے جو دستیاب ہو سکا ہی۔ اس کی اہمیت اور ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اُس کی اشاعت کو ضروری سمجھا گیا۔

امید ہے کہ افرادِ قوم اس رسالہ کی اشاعت میں انہماک کے ساتھ حصہ لے کر مشن کے مقصد کی تکمیل کا باعث ہوں۔ والسلام

خادم قوم سید مصطفےٰ احسن رضوی

آنریری سکریٹری امامیہ مشن نخاس لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"خمار رسوم وقیود"

ہماری اس "سر گشتگی" کی داستان بہت طولانی ہے۔ اسلام سادہ اور سنجیدہ اصول وتعلیمات لے کر آیا تھا مگر اُس کی یہ سادگی کتنے دن قائم رہی؟ بس اُتنے دن کہ جب تک پیغمبر اسلام زندہ رہے، اس کے بعد گوناگون اسباب سے یہ صاف اور سادہ تعلیمات کچھ بے نام ونمود گھروں کے اندر محدود رہے ہوں تو ہوں مگر عام طور پر اسلامی تمدن اور تہذیب پر دوسرے ممالک کی "خسروانہ" معاشرت کا اثر پڑا اور آج جسے "مسلمانوں کا کلچر" کہہ کے اُس کی بقا کو ہندوستان میں اسلام کی بقا کا مرادف کہا جاتا ہے۔ یہ وہی بیچ میل "کلچر" ہے جو مختلف ممالک کی معاشرت اور تہذیب کے اثر سے ہندوستانی مسلمانوں میں پیدا ہوا ہے۔ ہندوستان کا اسلام ان مقدس ذرائع سے آیا ہوا نہیں ہے جو براہ راست اسلام کے تعلیمات کے حامل تھے بلکہ یہ "سیکنڈ ہینڈ" اسلام ہے جس میں پہلے ہی سے وہ خلوص اور نکھار باقی نہیں رہا تھا، وہ کچھ لباس پہنے

ہوئے آیا تھا اور پھر مذہبی پر امن اور سادہ تبلیغ کے ذریعہ سے نہیں بلکہ طاقت اور جبروت کے ساتھ ہندوستانی ممالک میں پھیلا تھا اس لیے یہاں کے مسلمانوں نے آنکھ کھول کر اگر ایک ہاتھ میں دیکھا قرآن تو دوسرے ہاتھ میں دیکھی خون آشام تلوار جس پہ مذہبی روایات کے ماتحت گویا یہ اعلان بھی تحریر تھا کہ اَطِیعُوا اللّٰہَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ وَ اُولِی الاَمرِ مِنکُم یعنی بادشاہ اولی الامر ہیں اور ان کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کے ہم پلہ ہے اس لئے یہاں کے مسلمانوں کے دل میں خدا اور رسول کے ساتھ ہی ساتھ عظمت و اقتدار کا اثر بھی قائم ہوا۔

پھر آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان کے سلاطین عموماً ترک اور مغل خاندانوں سے تھے جن میں اُن کے خاندانی عادات و رسوم کا جو ترکستان اور ایران میں مروج تھے پورے طور پہ عملدرآمد ہوتا تھا ہندوستان آکر سیاسی مصالح کے ماتحت انھیں یہاں کے ارباب اقتدار سے تعلقات قائم کرنا پڑے اور سلطان جلال الدین اکبر بادشاہ نے جو اکبر اعظم کہے جاتے ہیں، اپنے سیاسیات کے ماتحت مختلف اقوام و ملل میں شادیاں کر کے اُن کی لڑکیاں لانے کی بھی ضرورت محسوس کی۔ آگرہ جائیے اور فتحپور سیکری کے شاہی محلات میں جودابائی کے محل کے

ساتھ اُس کا عبادت خانہ تک دیکھ لیجئے۔ ظاہر ہے کہ رسوم کا تعلق بہت زیادہ عورتوں کے ساتھ ہی شاہی محلات کے اندر ان تمام مختلف عناصر کے اجتماع سے جو بوقلموں رسوم و عادات جاری ہو سکتے ہیں اُن کا اندازہ بہت آسان ہے۔ پھر کوئی معمولی شخص ہو تو اُس کے گھر کے تقریبات کی اطلاع بھی اُس کے گھر تک محدود رہ سکتی ہے مگر بادشاہ کے یہاں جو تقریب اور رسم ہو اُس میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں آدمیوں کی شرکت کا امکان ہے اور لوگوں کی نگاہ میں سلاطین کے افعال قابل پیروی اور لائق اقتدار۔

نتیجہ ظاہر ہے کہ جو رسم اور تقریب بادشاہ کے یہاں ہوئی، عمائد اور بڑے افراد نے اُس کی پیروی کی اور اُس کی اشاعت میں حصہ لیا۔ اُن کے اثر سے جو اُن کے وابستگان تھے اُنھوں نے وہی طریقے اختیار کئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ چیزیں عام طور پر مسلمانوں میں زندگی کا جزو سمجھ لی گئیں۔ ممکن ہے کہ خالص مذہبی فرائض نظر انداز ہو جائیں مگر یہ رسوم نظر انداز نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد ان رسموں کو قوت پہونچائی توہم پرستی نے۔

چونکہ توہمات ہندوستان میں ہمیشہ سے بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اگر کبھی کسی وجہ سے کوئی رسم نہ ہوئی اور اتفاق سے اُسی سال

کوئی حادثہ ہو گیا تو اس کا سبب یہ قرار دیا گیا کہ چونکہ وہ رسم نہیں ادا ہوئی تھی اس لئے یہ سانحہ ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے وہ رسوم اگر صرف ترجیحی حیثیت رکھتے تھے تو اب وہ اتنے لازم سمجھے جانے لگے کہ گویا زندگی اُن پر موقوف ہے؟

آخر کو وہ سادے طریقے جو اسلام نے اپنے متبعین کے لیئے قرار دیئے تھے اس درجہ ان زوائد اور اضافوں میں گھر گئے کہ ان کی اصلی صورت مخفی ہو گئی۔ پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ اصلی چیز کیا تھی جو ہمارے لیے قرار دی گئی تھی

جس وقت سے انسان عالم وجود میں آیا (بلکہ آیا نہیں آنے کی تیاری ہوئی) اُس وقت سے وہ رسوم کے شکنجہ میں کس دیا گیا اور پھر وہ قید ہستی سے آزاد ہو جائے مگر ان رواسم کے قیود سے وہ اس کے بعد بھی آزاد نہ ہوگا۔

پھر اگر یہ رسمیں بالکل خشک رسمیں ہوتیں یعنی ان میں روپیہ کے صرف کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تو شاید ان کی وجہ سے کچھ نقصان نہ ہوتا مگر ان میں ہر ایک رسم شاہانہ تزک و احتشام کی حامل ہے اور ہر ایک رسم کے کچھ لوازم ہیں جو روپیہ کے طالب ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مختلف تقریبات جیسے شادی بیاہ ختنہ

اور اس سے چھوٹی باتیں کھیر چٹائی، دودھ بڑھائی وغیرہ بھی اس قدر دشوار ہو گئیں کہ جب تک کچھ سرمایہ نہ ہو ایک معمولی رسم ادا نہیں ہو سکتی۔

حالانکہ ان رسموں پر جب خیال کیا جاتا ہے تو بعض باتیں بالکل خلاف شرع ہیں اور بعض فضول، بے کار اور غلط توہمات پر مبنی ہیں اور بعض کم از کم اقتصادی حیثیت سے نقصان رساں ہیں۔

ان رسموں کی فہرست مکمل طور پر پیش نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جو شہروں کے اعتبار سے خاندانوں کے لحاظ سے مختلف ہے بلکہ ایک ہی خاندان میں کسی گھرانے میں کوئی رسم ہے اور کسی میں کوئی اور۔ پھر جس طرح شریعتیں منسوخ ہوتی تھیں اسی طرح رسموں میں بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں جس کو کہتے ہیں "ریت بدلنا"، گویا جس طرح آب و ہوا کی تبدیلی سے حفظان صحت پر اثر پڑتا ہے اسی طرح ریت بدلنے سے گھر کی خیر و سلامتی پر کوئی خاص اثر پڑے گا۔ مگر پھر بھی بعض رسموں کو اشارۃً یا تصریحاً بیان کروں گا۔

جس وقت سے کہ بچہ کی ولادت ہوئی، اُس وقت سے اسلام نے خدا کا نام یاد دلانے کا انتظام کیا۔ گویا اسی وقت وہ مقصدِ انسان کے پیش نظر کر دیا جائے جس کے لئے وہ دنیا میں آیا ہے۔ یہ حکم دیا گیا کہ

بچے کے داہنے کان میں اذان کہو اور بائیں میں اقامت کہو۔ اس کو چاہے بچہ سمجھے یا نہ سمجھے مگر دیکھنے والوں پر اثر ہوگا اور انھیں فرائض زندگی کی تکمیل کا احساس ہوگا مگر آپ کو معلوم ہے کہ اس موقع پر آپ کے یہاں کیا رسم ہے۔ پیپا بجانا یا توا کھٹکھٹانا، ظاہر میں تو ایک معمولی بات ہے مگر دیکھئے اس سے کس ذہنیت کی تشکیل ہوتی ہے۔

زچہ خانہ کے دنوں میں چاندنی سونپی جاتی ہے معلوم نہیں یہ رسم کن کن گھرانوں میں ہے۔ یہ چاندنی کا سونپنا زخم میں بھی ہوتا ہے اور شاید چیچک میں بھی۔ اس رسم کی اصل بنیاد مشرکانہ عقیدہ پر ہے۔ یہ خیال کہ چاند کا کوئی اثر ہے تو چاندنی کو سونپا جائے، دیوتاؤں کے عقیدہ پر مبنی ہے جیسے بیماریوں کی جھاڑ پھونک۔ اس کا کوئی تعلق توحید کے ساتھ نہیں ہے۔ چونکہ عوام اس پہلو سے بالکل خالی الذہن ہوتے ہیں اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جو چاندنی کو سونپے وہ کافر ہے مگر رسم کے مہمل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ بعض محتاط گھرانوں کی عورتیں اس میں یہ ترمیم کرتی ہیں کہ چاندنی سونپنے میں خدا اور رسولؐ اور ائمہ معصومین کا بھی نام لے دیتی ہیں مگر اس کی وجہ سے چاندنی کو سونپنے کی تو کوئی معقول وجہ پیدا نہیں ہو سکتی

چیچک میں لکھنؤ سے باہر بہت سے مقامات پر تو "بھوانی جی"

کی نیاز بھی دلائی جاتی ہے اور اُسے راضی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یہ ہرگز اسلام میں صحیح و درست نہیں ہے اور جائز نہیں ہے۔

شادی بیاہ کے معاملہ میں جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ہندو خیالات کا بہت زیادہ غلبہ ہے۔ ہندوؤں میں بہت قدیم زمانہ میں یہ رسم تھا کہ لڑکی کو جنگ کرکے بطور مال غنیمت کے لے جایا کرتے تھے اس رسم کے نشان آج تک ہمارے یہاں کی رسموں میں نظر آتے ہیں۔ آپ دیکھئے کہ جس وقت براتی دولھا کے گھر جاتے ہیں تو جب تک عقد نہ ہوجائے اُن کے ساتھ مخالفانہ طرز عمل اختیار کیا جاتا ہے کچھ کھانا پانی یہاں تک کہ پان بھی انھیں نہیں دیا جائے گا جب تک کہ عقد نہ ہوجائے۔ یہ کیا ہے؟ یہی کہ اب تک گویا یہ ایک فریق ہے اور وہ دوسرا فریق ہے۔ جب جنگ فتح ہوجائے گی تب دونوں ایک ہوں گے۔

پھر دولھا کو گھوڑے پر بٹھانے کی رسم۔ چاہے اُس کو بیٹھنا آتا نہ ہو۔ دو دو آدمی ادھر اُدھر سے پکڑے رہیں مگر گھوڑے پر ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے تو کہ جنگ ہے اور اس میں شہسواری کی ضرورت ہے۔ اکثر سر کے اوپر کھنچی ہوئی تلواروں کا سایہ بھی ہوتا ہے۔ اس کا پورا مظاہرہ چوتھی کی رسم میں ہوتا ہے۔ ایک فریق ایک طرف دوسرا فریق دوسری طرف۔ وہ دولھا والے یہ دلھن والے۔ ایک

دوسرے پر گٹے ہورہے ہیں اور دار جاری ہیں۔ کسی زمانہ میں تبر تیر نیزہ و شمشیر ہوتے تھے۔ آج موسلی گاجر۔ امرود سیب وغیرہ ہیں چاہے چوٹ چپیٹ آئے چاہے تکلیف ہو مگر کوئی پرواہ نہیں کیونکہ یہ تو لڑائی ہے اور لڑائی میں لڈو پیڑے نہیں بٹتے ہیں۔

شادی کا لباس جو دولھا کو پہنایا جاتا ہے اُسے دیکھئے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اُسے ہماری عام معاشرت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر وہ کوئی خوبصورت اور دلکش لباس بھی نہیں ہے بلکہ وہ تو بجائے آراستہ کرنیکے صورت کو بگاڑ دیتا ہے مگر یہ لباس ہمارے یہاں بالکل ہندوؤں کی مماثلت میں جاری ہے۔

کنگنا اور سہرا شادی کے ایسے لوازم ہیں جو جدا نہیں ہو سکتے سہرا کسی حد تک دولھا کے چہرے پر اچھا معلوم ہوتا ہے۔ پھولوں کا ہے تو اُس کی خوشبو بھی کیف آور ہو سکتی ہے مگر کنگنے کو کیا کہئے گا۔

پھر یہ دیکھئے کہ یوں تو لباس ہر ایک کا جداگانہ ہے۔ کوئی شیروانی پہنتا ہے۔ کوئی انگرکھا۔ کوئی اچکن۔ مگر شادی کا خلعت سب کا متحد ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ لباس کی یہ رسم کسی خاص اثر کے ماتحت قائم اور جاری ہوئی ہے۔ اور وہ کچھ نہیں ہو سکتا سوائے اشاعتِ خیالات و ضرورت کے اثر کے جس کی تشریح میں پہلے کر چکا ہوں۔

بعض رسمیں ایسی ہیں جن سے بعض اوقات بڑی تکلیف ہوتی ہے جیسے لڑکی کو مانجھے بٹھایا جانا۔ یعنی جب کچھ دن عقد کے رہ جائیں گے تو کچھ مخصوص آداب و شرائط کے ساتھ وہ ایک کوٹھری کے اندر بٹھلا دی جائیگی۔ اس کے بعد اُسے کپڑے بدلنے کی اجازت نہیں روزانہ اُس کے جسم پر اُبٹنا ملا جائے گا اور اُس کی مرمت ہوتی رہے گی یہاں تک کہ عقد کی تاریخ آئے۔ اب اگر اتفاق سے عقد کی تاریخ ٹل گئی اور کچھ روز بعد مقرر ہوئی تو جس وقت تک عقد نہ ہو اُس وقت تک اُسی طرح سے کوٹھری میں بیٹھی رہنا چاہیے عقد کے بغیر مانجھے سے اُٹھانا لڑکی کا ایک بڑی قیامت کی بات ہے جسے مشکل سے گوارا کیا جاتا ہے اس مانجھے بٹھانے اور روز اُبٹنا ملے جانے کے بغیر کہا جاتا ہے "چہرہ پر نور نہ آئیگا" اب آپ دیکھیے کہ اس دوران میں ممکن ہے فرائض شرعی کے ماتحت اُس لڑکی کے لیے نہانا ضروری ہو مگر کیا رسم کی لازمی پابندی کے مقابلہ میں فریضۂ مذہبی کا کوئی خیال کیا جائیگا؟!

بری۔ ساچق۔ ایک ہی طرح کی چیزیں ہیں۔ اصطلاح مختلف ہے کہیں ساچق کہی جاتی ہے اور کہیں بری۔ اس کی شکلیں بھی جداگانہ ہیں مٹکیاں، اُن پر سرخ شالباف منڈھی ہوئی، ان میں مچھلیاں ٹنگی ہوئی آخر اس شکل و صورت کی کوئی معقول وجہ ہو سکتی ہے؟

ہان سفر کے وقت بھی "دہی مچھلی"، کہنا مبارک سمجھا جاتا ہی یہان بھی مچھلیون کی شکل اور مٹی کے اندر رہی۔ ممکن ہے اس مناسبت سے ہو کہ لڑکی کا ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف سفر ہی۔

بعض اصحاب نے بیان کیا کہ "مچھلی" ہندوؤں کا قومی نشان ہی پھر تو مسلمانون کی شادیون مین اس رسم کی بنیاد سوائے ہندوانہ ذہنیت کی تاثیر کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتی۔

اب آئی اصل عقد کی منزل جس کا ذریعہ ہی ایجاب وقبول۔ اس میں مہر شریعت کی طرف سے ضروری قرار دیا گیا ہی مگر ہمارے یہان مہر اُس شرعی اصول پر باقی نہین رہا جو اس کے قرار دیئے جانے کا منشا تھا مہر حقیقتہً ایک مطالبہ تھا جو عورت کی طرف سے مرد کے ذمہ واجب الادا ہی مگر ہمارے رسم ورواج کی عملداری میں مہر صرف ایک نام کی چیز یا دکھاوے کی بات یا شان واقتدار کے ظاہر کرنے کا لفظی ذریعہ رہ گیا ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی اصلیت باقی نہین رہی ہے اس کا نتیجہ یہ ہی کہ ایک وہ شخص جس کی کوئی بھی حیثیت نہیں۔ جس وقت شادی کرنے پر آمادہ ہوتا ہی اور محفل عقد میں دولھا کی حیثیت سے مسند پر جلوہ گر ہوتا ہی، تو اُس کے سامنے دس لاکھ یا کم از کم پچاس ہزار روپیہ مہر پیش کیا جاتا ہی اور وہ اقراری طور پر اس طرح سر ہلا دیتا ہے

کہ معلوم ہوتا ہی اس کے صندوق میں اتنا روپیہ اس وقت موجود ہے حالانکہ اگر اس شخص سی کہا جائے کہ وہ کسی شخص کے نام اتنی رقم کا پرونوٹ لکھدے تو وہ تیار نہ ہوگا اور کہے گا کہ میں اتنی رقم ادا کہان کر سکتا ہون مگر مہر میں اس کو کوئی عذر نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ مہر کو واجب الادا ہی نہیں سمجھتا۔ ایک لفظی بات ہی "لاؤ بھائی پچاس ہزار نہین، پچاس لاکھ سہی"، میں سچ کہتا ہون کہ اگر اس شخص سی بلکہ اس محفل عقد کے بیٹھنے والون سے پوچھا جائے کہ پچاس ہزار روپیہ کتنا ہوتا ہی یعنی رکھا جائے تو اس کے لیے کتنی جگہ کافی ہوگی (پچاس لاکھ کا ذکر نہیں) تو کوئی اس کا تصور بھی نہ کر سکے گا اس لئے کہ اس نے کوئی مقدار ایسی بھی نہین دیکھی ہو جو پچاس ہزار سے قریبی تناسب رکھتی ہو۔ مگر عالم الفاظ میں پچاس ہزار دینے کے لئے بخوشی آمادہ ہو جائیں گے۔ یہ مہر قرار پاگیا۔ اس کے بعد؟ ابھی تو شادی ہو رہی تھی۔ اس کے بعد چوتھی چالے اور خدا جانے کیا کیا۔ چاند مقرر ہیں کہ یہ چاند یہاں دیکھا جائے اور یہ وہاں۔ اس کے تفاصیل بہت طولانی ہیں۔ اب اگر اولاد کی نوبت آئی تو پھر نہ پوچھیے۔ جو مہینہ گزرتا ہی اپنے ساتھ ایک خاص رسم لاتا ہی۔ یہاں تک تو زندگی کی رسمون کا ذکر تھا۔ انتہا ہے کہ خدانخواستہ دنیا سے کوئی

اُٹھ جائے تو اس کے بعد بھی رد اسم کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا
جس کے لحاظ سے میں کہتا ہوں کہ جینا تو جینا مرنا بھی دشوار ہوگیا
ہے۔ کتنا برا منظر ہوتا ہے جب جنازے کے رکھے ہونے کی حالت ہی
میں شہدے غل مچانا شروع کرتے ہیں اُن کی آوازیں شادی کے
وقت شاید اچھی معلوم ہوتی ہوں مگر غمی کے موقع پر تو اُن کی
آوازیں انتہائی مکروہ معلوم ہوتی ہیں۔

یہ تمام مراسم عام طور سے زندگی و موت کا جزو بن گئے ہیں۔ کیا
انھیں باقی رہنا چاہیے؟

یہاں پر اکثر حضرات شرع کا سوال بھی اُٹھاتے ہیں کہ کیا یہ رسمیں
شرعاً ناجائز ہیں؟

میں کہوں گا کہ بے شک ان رسموں میں بعض شرعاً ناجائز ہیں۔
دیکھیے یہ رسم ہے کہ دولھا کے مہندی جو لگاتی ہیں وہ بہنیں ہوتی ہیں
اگر یہ حقیقی بہنیں ہوں تو خیر لیکن رشتے کی بہنیں اُن کا ہاتھ جسم سے مس
ہونا شرعاً ناجائز ہے۔

پردہ کے باب میں یہ رسم ہی غلط طور پر قرار پائی ہے کہ کچھ خاص طرح
کے عزیز پردہ سے مستثنیٰ سمجھ لیے گئے ہیں شرع نے قرابت کے حدود
مقرر کر دیئے تھے پر چچا ماموں بھائی باپ وغیرہ۔ ہم نے ہر ایک

کے مفہوم میں وسعت پیدا کر لی، ہمارے یہاں ان میں سے ہر ایک میں "ہیں" اور "ہوتے ہیں"، کی تفریق پیدا ہوئی۔

کیا معنی؟ کہ ایک آدمی کو آپ فرماتے ہیں بلا تکلف یہ ہمارے بھائی ہیں" میں اگر ذرا حقیقت طلبی کے لہجہ میں سوال کر لوں "آپ کے بھائی ہیں؟"، تو آپ فرمادینگے "جی ہاں بھائی ہوتے ہیں"، اس "ہوتے" کے معنی یہ ہیں کہ "ہیں" نہیں، مطلب اس کا یہ ہے کہ میرے باپ یا ماں کی اولاد یہ نہیں ہیں مگر میرے چچا کے دودھ شریک بھائی کے مثلاً بیٹے ہیں تو ہمارے بھائی ہوئے۔

یاد رکھئے کہ جہاں تک بغیر کسی اینچ پینچ کے "بھائی" "چچا" وغیرہ ہونے کی منزل ہے وہاں تک شرع نے قرابتداری کا لحاظ کیا ہے مگر جہاں سے "ہوتے ہیں" کے حدود شروع ہوئے وہاں شرع نے قرابت کا اعتبار نہیں کیا ہے۔

چچا زاد بھائی، بہن آپس میں ایک دوسرے کے نامحرم ہیں اسی لئے آپس میں شادی ہو سکتی ہے مگر ہمارے یہاں کی خود ساختہ شرع یعنی رسم کے لحاظ سے وہ محرم قرار دئے گئے ہیں اس لئے عورت ان تمام دور کے عزیزوں کے سامنے ہوتی ہے۔ اگرچہ اس زمانہ میں جبکہ پردہ کوئی چیز ہی نہیں سمجھا جا رہا ہے اور بڑے بڑے

اونچے خاندانون میں بالکل اُٹھایا جا رہا ہے۔

میرے اس بیان پر مضحکہ کیا جائے گا مگر مجھے تو یہان اُن لوگون سے مطلب ہے جو پابندی شریعت کا دعوے کرتے ہیں اور جہان پردہ باقی سمجھا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ پردہ نہیں ہے جس کو شرع نے لازم قرار دیا ہے۔ اب دیکھئے کہ دولھا کے جب مہندی لگانے میں حقیقی بہنون کے علاوہ دوسری طرح کی بہنوں کا بھی ہاتھ لگا تو یہ خلاف شرع ہوا یا نہیں۔

اسی طرح مین نے سُنا ہے کہ جس وقت دولھا کا عقد ہو چکتا ہے اور وہ سلام کرنے کے لئے گھر کے اندر جاتا ہے تو اس وقت پردہ کا کوئی سوال نہیں ہوتا سب عورتیں سامنے ہوتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عقد تو ایک کے ساتھ ہوا مگر محرم سب ہو گئیں۔

مانجھے کے سلسلہ میں کہہ چکا ہون کہ وہ لڑکی جو مانجھے بیٹھی ہے اُس کو کپڑے بدلنا، نہانا سب ممنوع ہے۔ کیا اس کا بعض صورتون میں شرعی احکام و فرائض کے ساتھ تصادم نہیں ہوتا۔

بعض رسمیں ایسی ہیں کہ ان کے متعلق اگر آپ علما سے دریافت کیجئے تو وہ ناجائز نہ کہیں گے۔ جیسے کنگنا، سہرا وغیرہ۔ کنگنا کیا چیز ہے۔ گول شکل کا ایک لٹو۔ اس کو ہاتھ میں ہر وقت کوئی

باندھے رہے تو کیا ہے۔ مگر ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی پابندی سے ہماری جس زندگی کی تشکیل ہوتی ہے وہ ہماری فنا کی تمہید ہے۔

یہ دیکھئے کہ ان رسموں کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ بہت سی لڑکیاں قابل عقد ہیں بلکہ جن کا سن شادی کا گزر چکا ہے اور وہ بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان کی شادی صرف اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ روپیہ نہیں شادی کس طرح ہو۔ کیا اسلام نے شادی کا جو طریقہ مقرر کیا ہے اُس کے لئے اتنے روپیہ کی ضرورت ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ وہی ہندوانی شادی ہے جس کے لئے روپیہ کا انتظار کیا جاتا ہے۔ اس سے کبھی تو اُن بے زبان لڑکیوں کی جسمانی زندگی تباہ ہوتی ہے یعنی وہ مختلف امراض کا شکار ہو جاتی ہیں اور کبھی اجتماعی زندگی کو نقصان پہونچتا ہے یعنی نسل قطع ہوتی ہے اور اس سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ کبھی ناموسی زندگی فنا ہو جاتی ہے یعنی وہ خراب نتائج پیدا ہوتے ہیں جو شرافت کے دامن پر دھبا لے آئیں اور عزت کی پیشانی کو عرق شرم سے تر کر دیں۔

اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟ اُن ماں باپ پر جو اُن کو حکمِ شرع کے خلاف بٹھلائے ہوئے ہیں اور یہ بٹھلانا کس بنا

پر ہے؟ اُن ہی رسم و رواج کے غلط تخیل پر جو رائج ہو گئے ہیں۔

جس صورت میں کہ لڑکی بیٹھی نہیں رہی بلکہ اس کی شادی کی گئی تو آپ جانتے ہیں کہ وہ شادی ہوتی کس طرح ہے؟ قرض لیکر قرض بھی غیر سودی تو ملتا نہیں۔ ملے گا تو سودی قرضہ ملے گا اور وہ کس سے لیا جائے گا؟ اُن ہی لوگوں سے جن کے پاس ان سودی قرضوں کی بدولت ہماری تمام جائدادیں منتقل ہو چکی ہیں لالہ صاحب تشریف لائیں گے اور چونکہ ہم صاحب حاجت ہیں اس لئے مُنھ مانگا سود مقرر کرینگے۔

نتیجہ ظاہر ہے کہ شادی تو ہو گئی اور بڑے دھوم دھڑکے سے ہوئی اور تعریفیں بھی خوب ہو رہی ہیں۔ مگر یاد رکھیے کہ یہ تعریفیں کرنے والے، اُس وقت جب گھر پر قرقی آئے گی اور مکان نیلام ہوتا ہوگا، یہی لوگ اُس وقت بیوقوف بناتے ہوں گے کہ روپیہ پاس نہیں تھا تو اتنا ترک و احتشام دکھانے کی ضرورت کیا تھی؟ سود در سود میں رہا سہا جو پاس تھا وہ سب تشریف لے گیا۔ خانہ آبادی نہ ہوئی خانہ بربادی ہو گئی اور پھر نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ کا مضمون ہوا۔

مہر کا جو اصول آپ نے مقرر کیا ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک

بےمعنی لاحاصل غیر معقول چیز ہو گیا شرع کی طرف سے مقررہ کردہ مہر ایک لازمی قرضہ کی حیثیت رکھتا تھا مگر قانون نے اُس کو منسوخ کر دیا۔ وہاں جب حیثیت دلایا جائے گا۔ اس سے ایک شرعی اصول کی توہین ہوئی۔ مگر اُس کا سبب کیا ہوا۔ ہمارا غلط طرز عمل۔ ہم نے شرعی اصول کو غیر عقلی لباس پہنا دیا جس کے بعد وہ قابل تسلیم ہی نہ رہا۔

جب آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ پچاس لاکھ یا پچاس ہزار مہر کس واسطے ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ ماں کا مہر یہی تھا۔ نانی کا یہی تھا۔ پرنانی کا یہی تھا اس لئے اس کا بھی یہی مہر ہو گا لیکن اگر پوچھا جائے کہ نانی یا پرنانی کی جب شادی ہوئی تھی تو گھر پر ہاتھی بندھے ہوئے تھے۔ اب تو ایک چھوٹا سا گھوڑا بھی نہیں ہے۔ اُس زمانہ میں سیکڑوں آدمیوں کی یہاں سے پرورش ہوتی تھی۔ اب کبھی کبھی خود گھر میں فاقہ کی نوبت آ جاتی ہے۔ اُس وقت ہزاروں روپیہ کا ساز و سامان موجود تھا اب بچھانے کے لئے فرش تک نہیں ہے۔ کہا جائیگا کہ مہر تو اتنا ہی ہو گا۔

بہتر "اتنا ہی ہو گا" مگر اُس کا حاصل کیا ہی کیونکہ نہ وہ دین میں ملے گا نہ دنیا میں۔ دنیا کا حال تو آپ کو معلوم ہوا کہ وہاں جب حیثیت دلوایا جاتا ہی اور دین میں بھی یہ ظاہر ہی کہ امکان شرط ہی جب

شوہر کو ممکن ہی نہین تو آخرت کی ذمہ داری بھی کوئی نہیں لُطف یہ ہی کہ اگر کبھی بے چارہ دولھا مہر کی قبولیت میں عذر کرتا ہے اور کہتا ہی کہ میں اتنا مہر نہیں دے سکتا مجھ میں وسعت ہی نہیں۔ تو اُسے یہ کہکر خاموش کر دیا جاتا ہی کہ اس وقت نہ سہی ممکن تو ہی۔ خدا قادر ہی۔ ایک مسلمان آدمی کے سامنے جب خدا کا نام لے لیا جاتا ہی تو وہ بے بس ہو جاتا ہی اُس کے لبوں پر مہر خاموشی لگ جاتی ہی مگر قصد تو فطری چیز ہی کیا ہمارے اس منطقی داؤں سے اُس کو قصداً اتنے روپیہ کے دینے کا ہو سکتا ہی؟ ہرگز نہین جبکہ اپنے حالات کے لحاظ سے وہ اُس کے تصور سے بھی بالاتر ہے۔

میرے نزدیک یہ استدلال ہی بالکل غلط ہی۔ بات یہ ہی کہ دنیا کا نظام اسباب پر قائم ہی اور ہر چیز کے لیئے ایک سبب قرار دیا گیا ہی اس عالم کا نظام ان ہی اسباب پر مبنی ہی ان اسباب کے خلاف صورت اگر پیدا ہو تو وہ معجزہ ہی۔ مگر معجزہ کی توقع ہر شخص کو تھوڑی کرنا چاہیئے۔ معجزہ خاص اوقات خاص اسباب اور خاص حالات کی صورت میں نمودار ہوتا ہی اگر ہر شخص کے لیے ایسا ہو تو معجزہ معجزہ ہی نہ رہے وہ نشان حقانیت ہی نہ باقی رہے بلکہ میں تو کہتا ہون کہ انبیاء و مرسلین اور ائمہ بھی اپنی روزمرہ کی زندگی میں ان ہی

اسباب کے پابند تھے جن کے ہم پابند ہیں۔ اُن کے لئے بھی معجزہ خاص ضرورت کے وقت پر ظاہر ہوتا تھا ورنہ نہ معجزہ کی اہمیت باقی رہتی نہ اُن کی زندگی اور سیرت ہمارے لیے نمونہ رہتی۔

ہم کو کوئی حق نہیں ہے اس توقع کا کہ ہمارے لیے اس عام نظام اسباب کو توڑ دیا جائے اور ہمارے لیے معجزہ ظاہر ہو۔ حضرت علیٰ پانی پر چلتے تھے ہم تو جب تک پاسپورٹ لے کر اور ٹکٹ خرید کر جہاز پر نہ بیٹھیں سمندر کا سفر نہیں کر سکتے ہم بغیر ذریعہ کے ایک قدم آگے نہیں بڑھا سکتے۔ اس بارے میں خدا پر توکل کا سوال نہیں پیدا ہو سکتا۔ کیونکہ توکل کا درجہ اپنے قوائے عمل کے استعمال کے بعد ہے۔ آپ کو مدینۃ الواعظین تشریف لانا تھا۔ گھر میں بیٹھے رہتے۔ خدا کی قدرت میں تو یہ تھا کہ وہ آپ تک یہاں کی تقریر کو گھر ہی میں پہنچا دیتا۔ کیوں نہ آپ نے خدا پر بھروسا کیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ توکل کے یہ معنی نہیں ہیں۔ یہ خیال کرنا خدا کی حکمت پر دھبا لگانا ہے۔ اگر اسی طرح نظام کو توڑ پھوڑ کرتا رہتا تو دنیا میں کوئی آئین اور قاعدہ قائم ہی نہ ہوتا۔

معلوم ہوا کہ ہمارے عام نظام زندگی میں ممکن اور غیر ممکن کے معنی "ممکن عادی" اور "عادۃً غیر ممکن" کے ہیں اس لحاظ سے

جب دیکھا جائے تو وہ انسان جو نان شبینہ کو محتاج ہو اُسے اپنی موجودہ زندگی میں لاکھ دس لاکھ روپیہ حاصل ہونا غیر ممکن ہے۔ خدا کی قدرت میں یہ اُس طرح ہے جیسے ہمارا ہوا میں پرواز کرنا سمندر پر بغیر کسی جہاز اور کشتی کے فن شناوری جانے بغیر رواں ہونا۔ ویسے ہی دس لاکھ روپیہ بیٹھے بیٹھے یوں ہی مل جانا۔

پھر اگر ہوا میں پرواز کا قصد آپ کو پیدا نہیں ہو سکتا۔ پانی کی سطح پر راستا چلنے کا ارادہ پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ اسے غیر ممکن سمجھتے ہیں تو دس لاکھ روپیہ دینے کا قصد آپ کو کیسے پیدا ہو گا؟ سمجھ لیجئے کہ یہ طفل تسلّی کہ اس مہر کو منظور کر لو کیونکہ ممکن تو ہے؟ خدا قادر تو ہے؟ بالکل دھوکا اور فریب ہے۔

مہر کیوں زیادہ رکھا جاتا ہے؟ خیال یہ ہوتا ہے کہ مہر زیادہ ہو گا تو لڑکی کا دباؤ شوہر پر ہو گا۔ اس کے لیے میں کہتا ہوں کہ شوہر کی حیثیت کو دیکھتے ہوئے آپ زیادہ سے زیادہ مہر ایسا مقرر کر دیں جسے وہ اپنی عمر بھر میں مشکل سے ادا کر سکے اگرچہ وہ بھی سیدۂ عالم کے مہر کے خلاف ہو گا مگر شرع نے اس کی پابندی آپ پر واجب نہیں قرار دی ہے اس لئے آپ اُس سے زیادہ بھی مقرر کر سکتے ہیں مگر براہ مہربانی اتنا زیادہ نہیں جو حدود خیال میں نہ آئے اور جس کا

کسی طرح امکان ہی نظر نہ آتا ہو۔

یہ رسمیں جو قرار پاگئی ہیں۔ اکثر صاحبان علم اور تعلیم یافتہ افراد جو وسیع الخیال ہونے کے دعویدار ہیں وہ اپنی روشن خیالی کے مظاہرہ میں ان پر اظہار بیزاری کرتے ہیں مگر مقام عمل میں وہ بھی ان کے پابند نظر آتے ہیں۔ مشکل سے کوئی فرد اس سے مستثنیٰ ہوگی ان پر جب اعتراض کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ عورتون سے مجبور ہیں۔ کچھ بس نہیں چلتا۔ اس کے متعلق عرض ہے پہلی بات یہ کہ عورتون کی ذہنیت کی تشکیل خود مردون کے ذمہ ہے یعنی شروع ہی سے عورتون کے ذہن میں ایسے خیالات جاگزین کرنا چاہئین کہ وہ ان رسمون پر اصرار بیجا کرین ہی نہ کیونکہ انسان اپنے گھر والون کے اخلاق کی درستی اور تربیت کا ذمہ دار ہے کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ "تم مین سے ہر شخص اپنے گھر کا حکمران ہے اور ہر شخص سے اُس کی رعیّت کے متعلق سوال ہوگا" یعنی پوچھا جائیگا کہ اُس نے کیسی تربیت کی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو ایک عام فریضہ ہی تمام لوگون کی نسبت حکم ہے کہ اچھے کامون کی ہدایت کرے اور بُری باتون سے ممانعت کرے۔ چہ جائیکہ اپنے افراد وہ تو اپنے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے ہین جن کی ہر طرح کی

نگرانی اس شخص پر عائد ہے لہذا اس کا فرض ہے کہ وہ شروع
ہی سے بہترین خیالات کی تلقین کرے ۔ اگر آپ شروع سے اپنے
گھر والون کو اس طرح کے تذکرے سناتے رہیں اور سیدہ عالم کی
سیرت انھین یاد دلاتے رہین تو ان کے ذہن میں وہ خیالات
راسخ ہو جائیں گے اور وہ وقت آنے پر اصرار بیجا کے ساتھ آپ
کی زحمت کی باعث نہ ہوں گے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ سمجھتے
ہین کہ گھر والون کا اصرار بے جا ہے تو آپ اتنے نرم اور ملائم کیون
ہو جاتے ہیں کہ ان کے کہنے میں ضرور آ جائین ۔ آپ اپنی ذاتی باتون
مین تو اکثر حدِ اعتدال سے قدم آگے بڑھا دیتے ہیں ۔ اسلام نے
شوہر و زوجہ کے درمیان ایک حد تک مساویانہ حقوق قرار دیئے
ہیں ۔ عورت کی حیثیت ایک کنیز کی سی ہرگز نہین ہے ۔ عورت پر شوہر کی
اطاعت اس طرح واجب نہین ہے جس طرح ماں باپ کی اطاعت
اولاد پر یعنی سوائے واجبات اور محرمات کے ہر بات میں اُن کے
حکم کو ماننا ضروری ہے ۔ شوہر کی اطاعت زوجہ پر اس طرح غیر محدود
نہین ہے بلکہ وہ اُن ہی امور مین جو تعلقات زوجیت کے تحت میں
داخل ہین ۔ اور جو اُس کے قیام آمد و رفت سے تعلق رکھتے ہین
اس کے علاوہ کسی بات میں اطاعت واجب نہین ہے ۔ شوہر کو زوجہ

سے اس طرح کی خدمت لینے کا حق نہیں ہے۔ جیسے کھانا پکانا۔ کپڑے سینا۔ جھاڑو دینا بلکہ پانی پلانا اور کھانا دینا یہ چیزیں عورتوں کے ذمہ واجب نہیں ہیں۔ بیشک ان باتوں کو اصول محبت کے تحت میں انجام پانا چاہیئے یہ تو انتظامی حیثیت سے تقسیم عمل کا تقاضا ہے کہ اگر شوہر کاروبار محنت مزدوری یا تجارت کے سلسلہ میں گھر کے باہر کا کام انجام دیتا ہے تو عورت گھر کے اندر کا کام انجام دے شوہر کا کیا ذکر ایک گھر میں ماں اور بیٹے ہوں۔ بیٹا طلب معاش میں باہر رہتا ہے تو ماں کا انتظامی فرض ہے کہ وہ کھانا پکا کر رکھے مگر کیا اس کے یہ معنی ہوے کہ ماں پر بیٹے کی اطاعت واجب ہوگئی۔ اسی طرح ایک گھر میں بھائی اور بہن ہوں تو وہاں یہی صورت ہوگی۔ اسی طرح سمجھ لیجئے شوہر اور زوجہ کو۔ مگر اس کے یہ معنی تھوڑی ہیں کہ آپ کی حکومت قائم ہوگئی اگر کبھی وقت پر کھانا نہ تیار ہوا تو تیوریوں پر بل آگئے۔ اگر سالن بدمزہ ہوا تو پیالہ اٹھا کر صحن میں پھینکدیا یہ باتیں وہ ہیں جن میں لوگ حد اعتدال سے قدم آگے بڑھا دیتے ہیں مگر وہ باتیں جن میں عورتوں کے کہنے پر نہیں چلنا چاہیے ان میں ان کے مرید بن جاتے ہیں قرآن میں تو یہ ہے کہ الرجال قوامون علی النساء یعنی مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں مگر یہاں معاملہ برعکس ہو جاتا ہے النساء قوامات علی الرجال

یعنی عورتیں مردوں پر حکمراں ہوتی ہیں۔ اگر آپ واقعی ان رسموں
کی مضرت کا احساس رکھتے ہیں تو آپ کو اپنی بات پر قائم رہنا چاہیئے
اصرار بیجا کو ٹھکرا دینا چاہیئے اور خاطر داری کے اصول کو پامال کرنا
چاہیئے جبکہ آپ سمجھتے ہیں کہ اس سے آپ کی قومی زندگی تباہ ہو رہی ہے
مجھے اتفاق ہوا ایک مرتبہ ایک عقد میں شرکت کرنے کا۔
نوشاہ جن کا عقد ہو رہا تھا بی اے تھے۔ اُن کے والد ماشاء اللہ
انگریزی داں، قوم پرست اور تحصیلدار۔ ماموں ایک کالج کے پروفیسر
غرض سب روشن خیال یعنی خانہ کما۔ آفتاب۔ مجھ سے عقد پڑھنے کا وعدہ
ہوا اور چونکہ جانا دور تھا اس لئے قرار پایا کہ اُسی موٹر پر کہ جس پر
دولھا جائیگا میں بھی سوار ہوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا موٹر
آیا اور ہم لوگ روانہ ہوئے۔ دیکھا تو دولھا سر سے پیر تک
سُرخ لباس پہنے ہوئے جس میں لچکا ٹیچا اور نہ معلوم کیا کیا
ہاتھ میں کنگنے کے ساتھ ایک کٹاری بھی بندھی ہوئی اور چہرہ پر
چار چار سہرے جن کے بار سے گردن کا اٹھانا مشکل۔ گرمی سخت
تھی اور دوپہر کا وقت تھا میں خاموشی کے ساتھ روانہ ہوا
جب شہر کے حدود ختم ہوئے اور باہر نکلے تو میں نے نوشاہ سے
کہا کہ اب آپ سہرا اُلٹ لیجیئے۔ بہت گرمی ہے جب وہاں پہنچیں گے

تو پھر سہرا ڈال لیجیے گا۔ اُنھوں نے جو مجھے اپنے حال زار پر مہربان پایا تو کہنے لگے میں نے تو یہ سمجھ لیا کہ جس دن کسی کا عقد ہو اُس دن وہ اپنے تئیں مردہ سمجھ لے۔ مجھ کو موقع مل گیا۔ میں نے کہا آپ تو تعلیم یافتہ ہیں آپ کے والد اتنے اصلاح پسند اور آپ کے ماموں ایسے۔ پھر آپ کے یہاں پابندیاں کیسی؟ جواب دیا کہ میں نے کہا تھا مگر والد نے مجھے ڈانٹ دیا۔ دوسرے دن ان کے والد سے ملاقات ہوئی تو میں نے اُن سے تذکرہ کیا اور کہا آپ کے یہاں ایسی باتوں کا ہونا تعجب ہے۔ کہا "جی ہاں ان باتوں کو بُرا تو میں بھی سمجھتا ہوں مگر ایک خالہ ہیں۔ اُن کی وجہ سے یہ سب کچھ ہو گیا۔" میں نے دل میں کہا کہ ایک خالہ تھیں جب تو یہ ہوا۔ اگر ماشاء اللہ گھر عورتوں سے بھرا ہوتا تو کیا ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی طرف سے یہ صرف روشن خیالی کا ایک مظاہرہ ہے یا اسے فیشن سمجھ لیجیے کہ یہ ان باتوں کو زبان سے بُرا کہتے ہیں لیکن اگر حقیقتہً انھیں ان برائیوں کا احساس ہوتا اور اہمیت نگاہ میں ہوتی تو یہ ضرور سدِ راہ ہوتے۔

اچھا ان باتوں کو نظرانداز کیجیے طرفین کی رضامندی تو عقد کے لیے شرعی حیثیت سے قطعاً لازم و ضروری ہے مگر آپ کے

یہاں کے رواسم مین اس کی جگہ نہیں۔ لڑکی کا منشا کسی طرح معلوم نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اگر کسی طرح لڑکی کی عدم رضامندی کا علم ہو جائے تو کبھی کبھی ماں باپ کو ضد ہو جاتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اب تو ہم یہیں کرینگے۔ اس کی وجہ سے معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

بے شک آپکے یہاں شرم وحیا کا لحاظ قابل قدر ہے مگر آپ ایسے ذرائع اختیار کرین کہ شرم وحیا کے ٹوٹے بغیر اُن کا منشا معلوم ہو سکے اس کے لئے ایک بہترین صورت یہ ہے کہ اُن سے کسی اور لڑکی کا نام لے کر مشورہ کیجیے کہ اُس کا عقد فلان لڑکے کے ساتھ کیا جائے؟ اس طرح وہ اپنے خیال کا آزادی کے ساتھ اظہار کر دین گی اور آپ کو اُس خیال کی پابندی لازم سمجھنا چاہیئے۔

یہ سمجھ لینا کہ صاحب معاملہ ہم ہیں۔ وہ کچھ نہین۔ غلط ہے۔ دُنیا تو صاحب معاملہ وہی ہین۔ عقد کے وقت وکالت عقد اُن سے حاصل کی جاتی ہے مگر آپ نے رسمیں ایسی قرار دے لی ہیں کہ اُن کی رضامندی و عدم رضامندی کا اُس میں پتہ نہین چل سکتا جب وکیل عقد اُن سے دریافت کرے تو سکوت کرنا رسم، پاس بیٹھے والیون کا اصرار کرنا کہ "ہوں" کہدو داخل رسم۔ اِدھر اُدھر کی زبردستی سے "بمجبوری" اُن کا ہوں کہنا رسم، اس "ہوں"

کے بعد رونا داخل رسم۔ اب بتائیے کہ کوئی لڑکی ناراض بھی ہو تو وہ کس طرح اپنی ناراضگی کا اظہار کرے؟ اور ہم کس طرح اندازہ کریں کہ یہ لڑکی "ہوں" بخوشی کہہ رہی ہے یا بجبر؟ ہر چیز میں بدشگونی کی طرف نظر جاتی ہے مگر اس رونے میں بدشگونی کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ ممکن ہے کہ کبھی کوئی لڑکی عقد کے موقع پر ناراضگی کی بنا پر روئی ہو۔ اُس وقت سے اس پر رسم کا پردہ ڈال دیا گیا تاکہ حقیقت واقعہ کا انکشاف نہ ہونے پائے۔ اب ہمارے لیے کوئی چارۂ کار نہیں اور ہم ظاہری اقرار کے پابند ہیں اس لئے عقد پڑھ دیتے ہیں مگر آپ یاد رکھیے کہ اگر لڑکی نے دباؤ سے "ہوں" کہی ہو اور واقعی رضا نہ ہو تو شرعی حیثیت سے وہ نکاح کوئی چیز نہ ہوگا۔

آپ کو اپنی ذمہ داری کا پورے طور پر احساس ہونا چاہیے۔ آپ کو اس کشتی کے ساحل مراد تک پہونچنے کی فکر ہونا چاہئے جسے آپ سمندر میں ڈال رہے ہیں۔ اگر اسی وقت سے لڑکی کے خیالات اپنے آیندہ ہونے والے شوہر کے متعلق خراب ہوں تو کبھی اُس کی معاشرت اُس کے ساتھ خوشگوار نہ ہوسکے گی۔ آپ کا فرض ہے کہ اُس کی زندگی میں اطمینان و سکون پیدا ہونے کے

تمام ذرائع ابھی سے مہیا کریں۔ آپ کو اس میں کوئی برا خیال بھی نہ ہونا چاہیے۔

عزیزداری میں تو اکثر لڑکیوں کو اعزا کے لڑکوں کے ساتھ بچپنے میں کھیلنے کا موقع حاصل ہو چکا ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ انھیں اُس وقت کسی سے انس اور کسی سے نفرت پیدا ہو چکی ہو۔ کسی اور طرح پر نہیں بلکہ بالکل معصومانہ انس اور نفرت مگر کیا اس وقت جو خیالات پیدا ہو چکے ہیں وہ تبدیل ہو سکتے ہیں؟ اب اگر آپ نے اُن کی قسمت کو وابستہ کیا ہے ایسے لڑکے کے ساتھ جس سے انھیں طبعاً تنفر پیدا ہو چکا ہے تو ہرگز ان کی زندگی اس کے بعد خوشگوار نہیں ہو سکتی۔ بہت سے گھروں کی آبادی اور بربادی کا سوال اس مسئلہ میں مضمر ہے۔

بعض نئی روشنی کے حضرات اور تجدد کے علمبرداروں کا یہ خیال کہ شادی کو محبت پر مبنی ہونا چاہیئے یعنی پہلے محبت پیدا کرنے کا موقع دیا جائے پھر شادی کی جائے۔ یہ تو میرے نزدیک ہرگز درست نہیں ہے کیونکہ محبت ایک اضطراب آفریں تموج ہے اور شادی ایک استوار عمارت۔ کبھی پائدار عمارت متحرک لہر پر قائم نہیں کی جا سکتی اس لیئے شادی کی بنیاد تو حکیمانہ

دور اندیشی ہی پر مبنی ہو سکتی ہے جس کے لیے والدین کی رائے زیادہ قابل اعتماد ہے اور اُن کا انتخاب زیادہ محفوظ ہے مگر پھر بھی لڑکی کے منشا کو بالکل نظر انداز کر دینا ہرگز درست نہیں۔ انتخاب کریں والدین ہی مگر لڑکی کی رضا مندی صمیم دل سے ضرور حاصل کر لیں۔

اس کے ساتھ عقد میں سادگی اور کفایت شعاری مدِ نظر رکھیں ہرگز ہرگز اس میں سبکی کا خیال دل میں نہ لائیں۔ خود پیغمبر اسلام سے بڑھ کر کس کی عزت ہو گی۔ اگر آپ چاہتے تو ہزاروں روپیہ تقریب شادی میں صرف کر دیتے مگر آپ نے اپنی صاحبزادی سیدہ عالم کا عقد جس طرح کیا آپ کو معلوم ہے۔ جہیز سیدہ کا کیا تھا؟ لیف خرما کے چند تکیے۔ چمڑے کا بچھونا۔ چند مٹی کے برتن۔ ایک چرخہ اور ایک چکی۔ آپ سے یہ نہیں کہا جاتا کہ آپ بھی چرخہ اور چکی دیجیے مگر آپ بھی اپنے زمانہ کے لحاظ سے ضرورت کی چیزوں پر بقدر حیثیت اکتفا کیجیے۔

سیّدہ عالم اور امیر المومنین کا جو عام طرز زندگی تھا رسالتمآبؐ نے اُس کے لحاظ سے کارآمد چیزیں بیٹی اور داماد کو دیں آپ بھی اپنے طرز زندگی کے لحاظ سے کارآمد چیزوں

کی ایک فہرست مرتب کر لیجیے۔ مگر اس میں صرف نمائش کا خیال نہونا چاہئے۔

یہ نمائش نہیں تو کیا ہے کہ جہیز کے سامان کو زیادہ دکھلانے کے لئے ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز ایک ایک مزدور کے سر پر رکھدی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ لڑکی کے ضروریات مدنظر ہیں۔ نہ داماد کے۔ بلکہ فقط اپنی نمائش مقصود ہے۔

ہم اگر اپنی تمام رسموں میں رسول اور اہلبیت رسولؐ کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھیں تو ہماری زندگی میں وہ انقلاب ہو جائے جو ہماری آتی ہوئی موت کو پلٹا دے۔ ورنہ سمجھ لیجیے کہ ہم عنقریب دنیا سے حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ جائینگے۔ کوشش کیجیے کہ ایسا نہو۔

(تمام شد)

نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	محصول ڈاک	نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	محصول ڈاک
۳۵	تدوین حدیث	۱/؍	۳؍	۵۵	شہدائے کربلا حصہ دوم	۰۵؍	۱/؍
۳۶	مطلوب کعبہ	۱/؍	۳؍	۵۶	ابوالائمہ کی تعلیمات	۴؍	۱؍
۳۷	محاربۂ کربلا	۲/؍	۳؍	۵۷	حسین کا پیغام عالم انسانیت کے نام	۱؍	۰؍
۳۸	اسلام کا پیغام اردو	۰؍	۰؍	۵۸	اسلامی عقائد	۲؍	۳؍
۳۹	دی مسیج آف اسلام انگریزی	۰؍	۰؍	۵۹	آثار باقیہ	۱؍	۰؍
۴۰	اثبات عزاداری	۰۴؍	۱/؍	۶۰	صحیفہ سجادیہ کی عظمت	۰۱؍	۳؍
۴۱	مسئلہ فدک	۰۵؍	۱/؍	۶۱	خلافت و امامت حصہ پنجم	۲؍	۱/؍
۴۲	تاجدار کعبہ	۱/؍	۳؍	۶۲	خدا کی معرفت	۸؍	۱/؍
۴۳	خلافت و امامت حصہ اول	۰۵؍	۱/؍	۶۳	شہدائے کربلا حصہ سوم	۴/؍	۱؍
۴۴	" حصہ دوم	۰۴؍	۱/؍	۶۴	خلافت و امامت حصہ ششم	۸؍	۱/؍
۴۵	" سوم	۴؍	۱/؍	۶۵	دی لاسٹ میسج آف حسین	۲؍	۳؍
۴۶	تحقیق اذان	۱؍	۳؍	۶۶	ہمارے رسوم و قیود	۲؍	۳؍
۴۷	ذوالجناح	۰؍	۰؍	۶۷	شیعوں کی تازہ زندگی	۱؍	۰؍
۴۸	شہدائے کربلا حصہ اول	۴/؍	۱/؍	۶۸	صحیفہ اعمال مترجم	۱۲؍	۳/؍
۴۹	کربلا کا مہاسمر ہندی	۲/؍	۳؍	۶۹	مذہب شیعہ اور تبلیغ	۱/؍	۰؍
۵۰	حسین اینڈ دی پیپل آف کربلا انگریزی	۱؍	۳؍	۷۰	اسیری اہل حرم	۰۱؍	۰؍
۵۱	مشہد اعظم	۱/؍	۳؍	۷۱	دی مشن آف حسین انگریزی	۱؍	۰؍
۵۲	لاتفسدوا فی الارض	۸؍	۱/؍	۷۲	نظام زندگی حصہ اول	۴؍	۱/؍
۵۳	نہج البلاغہ کا استناد	۴؍	۱؍	۷۳	" دوم	۵؍	۱/؍
۵۴	خلافت و امامت حصہ چہارم	۳؍	۱؍				